اجتماعی اجتہاد سے جمود کا خاتمہ اور منظم افتاء کے لئے اصلاحی تجاویز کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Collective Ijtihad and Organized Ifta to Overcome Juristic Stagnation

Raza Muhammad
Ph.D. Scholar, Islamic Studies Department, HITEC University, Taxila
Email: rzam48884@gmail.com

Muhammad Anisu Rahman
Ph.D. Scholar, Islamic Studies Department, HITEC University, Taxila
Email: ak.anis1994@gmail.com

Dr. Hafiz Zafar Mehmood
Lecturer GCC Satellite Town, Rawalpindi
Email: drzafarsadozai@gmail.com

Abstract

This study contends that contemporary challenges confronting the Muslim Ummah can be effectively addressed through collective ijtihad and a systematized framework of iftaʾ, rather than through isolated individual fatwas. It identifies juristic stagnation as a consequence of unregulated fatwa practices, dependence on unqualified muftis, and legal rulings disconnected from social realities. The study explains that effective iftaʾ is grounded in three essential components: the mustaftī, the muftī, and the fatwā, each bearing defined ethical and scholarly responsibilities. Emphasis is placed on methodological rigor, contextual awareness, moderation, and adherence to the objectives of Islamic law. The research concludes that institutionalized and collective mechanisms of iftāʾ are vital for producing balanced, applicable rulings and for overcoming juristic stagnation.

Keywords: Collective Ijtihad, Organized Ifta, Juristic Stagnation, Fatwa Reform

تعارف:

اسلام ایک ہمہ گیر، زندہ اور قیامت تک کے لیے رہنمائی فراہم کرنے والا دین ہے، جو ہر دور اور ہر زمانے کے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود امتِ مسلمہ کو مختلف ادوار میں فقہی جمود، فکری تعطل اور غیر منظم افتاء جیسے سنگین مسائل کا سامنا رہا ہے، جس کے نتیجے میں شریعتِ اسلامیہ کی عملی تطبیق میں دشواریاں پیدا ہوئیں۔ خصوصاً عصرِ حاضر میں سائنسی ترقی، سماجی تبدیلیوں، معاشی نظاموں کی پیچیدگی اور عالمی سطح پر بدلتے ہوئے حالات نے ایسے نئے سوالات کو جنم دیا ہے جن کا حل محض انفرادی فتووں یا محدود فقہی زاویوں سے ممکن نہیں رہا۔

اسی پس منظر میں اجتماعی اجتہاد اور منظم افتاء کی ضرورت واہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ اجتماعی اجتہاد نہ صرف علمی بصیرت اور فکری توازن پیدا کرتا ہے بلکہ فقہی اختلافات میں اعتدال، غلط فتووں کی روک تھام اور امت کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کا مؤثر ذریعہ بھی بنتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون کا مقصد یہی ہے کہ فقہی جمود کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے اجتماعی اجتہاد اور منظم افتاء کے ذریعے اس جمود کے خاتمے کے لیے اصلاحی تجاویز پیش کی جائیں، تاکہ افتاء کا نظام قرآن وسنت کی روشنی میں زیادہ مربوط، ذمہ دار اور عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکے۔ کسی شرعی مسئلہ کو بیان کرنے میں تین چیزیں کار فرما ہوتی ہے۔ مستفتی یعنی فتوی پوچھنے والا، مفتی یعنی فتوی دینے والا اور فتویٰ یعنی حکم شرعی۔ منظم افتاء کا قیام تب ممکن ہو گا، جب یہ تینوں منظم ومرتب ہو جائے۔ اور ان تینوں کے مجموعہ کو افتاء کہتے ہیں۔

1۔ اصلاحی تجاویز برائے مستفتی

مستفتی کو چاہیے کی فضول سوالات کرنے سے اجتناب کریں۔ فضول سوال کی ایک مثال عیاض نے امام مالک کے شاگرد زیاد بن عبد الرحمن قرطبی کی سوانح میں تحریر کی ہے۔ کہ حبیب فرماتے ہیں کہ ہم زیاد کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے پاس ایک بادشاہ کا خط آیا۔ آپ نے سیاہی میں اپنا قلم ڈبو کر اس کا جواب تحریر کیا، اس پر مہر لگائی اور واپس بھیج دیا، پھر ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا: تم کیا جانتے ہو اس خط میں بادشاہ نے کس چیز کے بارے میں پوچھا ہے؟ اس نے قیامت کے دن میزان کے پلڑوں کے بارے میں سوال کیا ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے یا چاندی کی؟ میں نے جواب میں لکھا کہ ہم سے امام مالک اور ان سے ابن شہاب الزہری[1] نے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ[2]

ترجمہ: آدمی کے اسلام کی زینت لایعنی باتوں سے کنارہ کش رہنا ہے۔

عنقریب تمہیں میزان کے سامنے پیش ہونا ہے اس وقت تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ اس کے پلڑے کسی چیز کے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بے جا سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے۔[3] حضرت ثوبان کی روایت کے مطابق رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کو امت کے بدترین لوگ قرار دیا ہے۔[4]

محض فتوی سے کوئی چیز حلال نہیں ہوتی

جب آدمی کو معلوم ہو جائے کہ فتوی حقیقت کے خلاف ہے تو اس وقت جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس فتوی پر عمل نہ کریں۔ جس طرح قاضی کا خلاف واقعہ فیصلہ بے سود ہوتا ہے حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح صرف مفتی کے فتوی دے دینے سے کوئی چیز حلال نہیں ہو جاتی، بالفرض نبی اکرم ﷺ سے اگر کسی وقت خلاف واقعہ کوئی فیصلہ ہو جائے تو اس صورت میں وہ شخص، جس کے حق میں نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس چیز کو لینا

جائز نہیں جس کی صراحت خود نبی اکرم ﷺ نے فرمائی ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو آپ جھگڑا کرنے والوں کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا اس میں کوئی شک نہیں میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے فیصلے میرے پاس لیکر آتے ہو اور ممکن ہے تم سے کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور میں اس کا مدلل بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کروں کیونکہ میں اس کو سچا سمجھ رہا ہوں۔ لہذا وہ شخص جس کے حق میں، میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو حقیقت میں اس کے مسلمان بھائی کی ہو تو اس چیز کو نہ لے گویا ایسی صورت میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔[5]

ماہر فن و قابل اعتبار مفتی سے فتویٰ لینا

جس طرح انسان دنیاوی امور میں ماہر فن کے پاس جاتا ہے، اور طب میں سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، بلکل اس طرح مستفتی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ ماہر فن و قابل اعتبار مفتی سے فتوی سے فتویٰ لیں۔ اس طرح مستفتی کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف مفتی کے فتوے سے اس کے لئے وہ چیز جائز ہو گئی جس کے بارے میں پوچھا تھا، جبکہ اسے معلوم ہو کہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، کیونکہ اپنی حالت کو وہ اچھی طرح جانتا ہے، یا اس میں کوئی سہو، یا جہالت ہو، یا مفتی کی جہالت کا اس کو علم ہو یا مفتی کے فتوی میں اسے اپنی محبت کی رعایت کا یقین ہو یا مفتی قرآن و سنت کا پابند نہ ہو یا وہ حیلوں اور خلاف سنت رخصتوں کا پورا حامی ہو یا ایسے اسباب موجود ہوں جو مفتی کی ثقاہت کے خلاف ہوں۔ ان تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افتاء کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ علماء اپنی تقاریر سے فتوی کی حقیقت اور دائرہ کار کی وضاحت کرے تاکہ عوام الناس ان مسائل میں مراکز افتاء کی طرف رجوع کریں جس میں ان کا شرعی حق بنتا ہے۔ تاکہ زبانی فصاحت و بلاغت اور چالاکی سے وہ دوسروں کی حق تلفی نہ کریں۔

2-اصلاحی تجاویز برائے مفتی

حق کو نہ چھپانا

فتوی بیان کر دینے کے اس قبیل سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں علماء پر لازم کیا، اور اسے چھپانے پر زبردست تنبیہ کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَ[6]

ترجمہ: اور ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہیے جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ وعدہ لیا تھا کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کر بیان کروگے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بھی اس پر زبردست تنبیہ کی ہے۔ آپ ﷺ ہے۔

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللَّهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[7]

ترجمہ: جس شخص سے اس کے علم سے متعلق سوال کیا گیا باوجود جاننے کے اس نے اسے چھپایا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام پہنائے گا۔ جب حکم ظاہر ہو جائے تو مفتی کو فتوی دینے میں کوئی تردد نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم چار لوگوں کی زبان پر ظاہر ہوتا ہے۔ راوی، مفتی، حاکم، گواہ۔ راوی کی زبان سے اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے الفاظ کو ظاہر کیا جاتا ہے، مفتی کی زبان سے اس کے معانی اور مطالب اور استنباطات ظاہر ہوتے ہیں۔ حاکم کی زبان سے اس کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ گواہ کی زبان سے وہ سبب ظاہر کر دیتا ہے جس پر یہ حکم مرتب ہے۔ پس ان چاروں پر واجب ہے کہ اس سچائی کی خبر دیں جس کی دلیل بھی موجود ہو، جو خبر دیتے ہیں اس کے عالم ہوں اس میں سچے ہوں۔ اس کے لئے جھوٹ بولنا اور چھپالینا بدترین گناہ ہو گا جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی مخالفت کرتا ہے۔ سنت ربانیہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں سے علمی، دینی اور دنیوی برکت ختم کر دی جاتی ہے۔ ان کے برخلاف جو سچائی کو اور اظہار اور بیان کو ضروری کر لے اللہ تعالیٰ ان کے علم میں، ان کے وقت میں، ان کے دین میں، ان کی دنیا میں برکت دیتا ہے، وہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ ہو جاتا ہے جو بہترین رفیق ہیں۔

مفتی کا بغیر تحقیق کے فتوی دینا

بہترین اور مؤثر افتاء کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ مفتی بغیر تحقیق کے فتوی جاری نہ کریں کیونکہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعض ایسے سوالات بھی نبی اکرم ﷺ سے ہوئے جس کا جواب آپ کو معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے توقف کیا، پھر فوراً جبرائیل حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے سوال پیش کر کے جواب طلب کی، مگر جبرائیل فرمایا آپ انتظار فرمائیں، میں ابھی رب ذوالجلال کی بارگاہ سے جواب لے کر حاضر خدمت ہوتا ہوں۔[8] چنانچہ حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے آپ سے پوچھا ای البقاع خیرٌ؟ کون سی زمین بہتر ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور فرمایا میری یہ خاموشی جبرائیل امین کی تشریف آوری تک ہے، اتنے جبرائیل امین خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا، اور پوچھا، اس کا جواب کیا دیا جائے؟ حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

شر البقاع أسواقها وَ خَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا[9]

ترجمہ: زمین کا بدترین ٹکڑا بازار اور بہترین ٹکڑا مساجد کا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سوال کا جواب پہلے سے نبی اکرم ﷺ کو معلوم نہیں تھا لیکن جواب بحیثیت پیغمبر

آپ کے ذمہ ضروری تھا، آپ جبرائیل امین کے ذریعہ جواب معلوم کرتے اور پھر سائل کو جواب مرحمت فرماتے تھے۔ لہذا مفتی حضرات کو سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے ایسے سوالوں کے جوابات سے گریز کرنا چاہیے جس کا انہیں علم نہ ہو ورنہ خود بھی گمراہ ہو جائیں گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گا۔

فتویٰ میں عجلت پسندی سے اجتناب کرنا

فتویٰ کی بہتری کے لئے ضروریات یہ ہے کہ مشکل اور حساس سوالات کے جوابات دینے میں عجلت سے گریز کرنا چاہیے اور جواب دینے میں غور وخوض کرے۔ اس بارے میں ملا علی قاری رقمطراز ہیں کہ:

ان من استفتی عن مسلة لا یعلم فعلیه أن لا یجعل في الإفتاء ولا یستکف عن الإستفتاء عن من هو أعلم ولا یبادر إلی الإجتهاد مالم یضطر إلیه فإن ذالك من سنة رسول الله وسنة جبریل[10]

ترجمہ: جس مفتی سے ایسا مسئلہ دریافت کیا جائے جس کا جواب وہ جانتا نہیں تو اس کا فرض ہے کہ نہ وہ فتوی دینے میں جلدی کریں، اور نہ اپنے سے بڑے عالم سے پوچھنے میں شرمائے اور جب تک بالکل اضطرار کی سی کیفیت پیش نہ آئے اجتہاد کی ہمت نہ کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور جبرائیل امین کا طریقہ یہی تھا۔

گویا مفتی کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ اولا نص کی تلاش کرے، اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کریں، اگر اسے کوئی نص نہ مل سکے تو کسی عالم یا مفتی سے دریافت کریں، پوچھنے میں شرم سے کام نہ لے اور جب تک قابل اطمینان جواب مل نہ جائے، بغیر علم جواب دینے کی کوشش بالکل نہ کرے اور یہ کہ مسائل میں اجتہاد اس وقت کیا جائے، جب صراحتاً کوئی آیت یا حدیث یا کوئی قول صحابی نہ مل سکے۔

جمود کا خاتمہ اور حالات کے مطابق اجتہاد کے نئے راستوں کی تلاش

اس وقت امت مسلمہ کو علمی میدان میں بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ سائنسی علوم تحقیق و تدریس، ایجادات واختراعات کے میدان میں ترقیافتہ دنیا مسلم دنیا سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ فکری میدان میں مغرب، عالم اسلام کو گنتی میں بھی نہیں لاتا۔ اسلامی فکر اور نئی جستجو کے لحاظ سے ایک طرف قدامت پسند علماء ہیں جو اصابت فکر اور درست رائے سے بلکل محروم، رسومات ہی کو دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف تجدد پسند علماء کی ایک گروہ تیار ہو رہی ہے۔ جو دین کے ہر معاملے میں اپنی عقل ناقص کی پیوندکاری کو ضروری سمجھتے ہیں۔ عالم اسلام میں علمی سطح پر جو سرمایہ اس وقت ہو رہا ہے اس کا بہت زیادہ حصہ اسلامی فکر کے احیاء کی غذا سے خالی ہے۔ فروعات، اختلافی مسائل اور اپنے اپنے مکتبہ فکر کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتابوں کے انبار لگ رہے ہیں۔ ہر روز نت نئی سنتیں ایجاد ہو رہی

ہیں۔ صدیاں ہوئیں اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے گئے اور عالم اسلام نئے مسائل کے حل کے لئے بانجھ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، حریت فکر اور اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل حل کرنے والے کے خلاف جاہل اور نیم پڑھے لکھے علماء نے ایسی زبان درازیاں کی کہ کوئی سکالر نئی تحقیق اور ریسرچ کے ذریعے لب کشائی کے لئے تیار نہیں۔ تقلید اور اجتہادی جمود نے ہماری حریت فکر، تحقیق اور اجتہادی روح پر تالے لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک نے ہمیں حکم دیا کہ ہمیشہ غور و فکر کرتے رہو جمود کا شکار نہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ درپیش مسائل پر خود اجتہاد فرماتے صحابہ کرام سے اجتہاد کرواتے جس طرح معاذ ابن جبل سے سوال وجواب کئے۔ خود قرآن پاک نے اپنے بعض احکام کو نئے حالات کے مطابق منسوخ کیے کیونکہ نئے حالات احکام کا تقاضا کرتے ہیں۔ خلفاء الراشدین نے عہد رسالت کے بعض اجتہادات کی جگہ نئے اجتہادات کئے۔ حضرت عمر نے رسول کریم ﷺ کی مؤلفۃ القلوب کی خاطر زکوۃ دینے والے مسئلے پر عمل کرنے سے انکار کیا۔[11]

افتاء کی بہتری کے لئے اجتماعی اجتہاد

انسان ایک خاص قسم کے علم میں مجتہد و تجربہ کار اور دوسرے علم میں غیر مجتہد و غیر تجربہ کار ہو سکتا ہے پھر مزید یہ کہ خاص باب میں بھی اس کی حالت مختلف ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے علم فرائض، ان کی ادائیگی اور ان کا کتاب وسنت سے استنباط کرنا پوری بسط سے سیکھ لیا اور اس کے علاوہ علوم میں اسے یہ دسترس حاصل نہیں یا مثلاً معاشیات اور اسلامی بینکاری میں اس کو مہارت حاصل ہے بخلاف دوسرے علوم کے۔ اسی طرح جہاد یا حج کے بارے میں اسے کامل مہارت ہے تو ان امور میں تو وہ فتوی دے سکتا ہے لیکن دوسرے امور میں اسے اجتہاد کی قوت میسر نہیں تو ان کو فتوی دینا لائق نہیں۔ پس اجتماعی اجتہاد فتوی اور اجتہاد کی تنظیم میں بہت مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے، یہ ایسے لوگوں کا راستہ روکنے کا ذریعہ ہے جو اس فن کے ماہر نہیں، اسی طرح اس کے ذریعے ذرائع ابلاغ میں غیر منظم فتاوی کی اشاعت کا بھی سد باب کیا جائے گا۔ انفرادی اجتہاد کے نتیجے میں کمی کوتاہی یا طبعی میلانات کا الزام یا بعض نزاعات سے بھی اجتناب ممکن ہو گا۔ غور وفکر کی مزید راہوں کا کھلنا اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار میں کمی کا باعث بنے گا۔ ضرورت پر مبنی فتاوی کے لئے لازم ہے کہ وہ درج ذیل اصول وضوابط کے ساتھ منضبط ہوں:

- اگر ان فتاوی کا تعلق عام امت مسلمہ سے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اجتماعی غور وفکر کے بعد صادر ہوں۔ ہاں اگر تعلق نہ ہو تو انفرادی تحقیق پر بھی فتوی دیا جاتا ہے۔
- ضروریات اور حاجات کا اندازہ کرنے میں متعلقہ شعبوں کے ماہرین کی مدد لی جائے جیسے طب اور اقتصادیات وغیرہ۔

- ایسا فتوی جو کسی خاص ضرورت کی بنا پر جاری کیا گیا ہو۔ وہ تمام احوال، زمانے اور اشخاص کے لئے عام نہ ہو۔
- غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے دین کی سلامتی و تحفظ اور وہاں اسلام کی نشر و اشاعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے مسائل کو فقہی قواعد کی روشنی میں ان کی تمام شرائط کو مد نظر رکھ کر حل کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

عام ذرائع ابلاغ میں فتوی کے شعبے سے متعلق ہونے کے درجہ ذیل اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے:

- مسائل کے احکام، ان کی شرائط، قواعد و ضوابط اور موانع کا افتاء کی حالت میں استحضار ہو۔
- بعض سائلین کی طرف سے کیے جانے والے سوالات کے مقصد پر بھی توجہ ہو کہیں اس کا مقصد غیر شرعی نہ ہو۔
- سائلین کی مراد کی پوری معرفت اور ان کے احوال جو احکام میں مؤثر ہو سکتے ہیں ان کا پورا علم ہو۔ اور کلام مستفتی کے حال کے مطابق کی جائے۔
- عدالتی نوعیت کے مسائل میں فتوی نہ دیا جائے جن میں فریقین کے دلائل سننا ضروری ہوتا ہے، اور ایسے مسائل جن میں اجتہاد ہوتا ہے اس میں بھی فتوی نہ دیا جائے۔
- مناسب اور قابل اشاعت بات کو ظاہر کیا جائے۔ شرعی مخالفت کا حتی الامکان سد باب کیا جائے۔
- اگر فتوی کا تعلق صرف مستفتی سے ہو تو اس کی صراحت کی جائے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت اسلامیہ کی تطبیق کا اہتمام کیا جائے۔[12]

علماء کی بیان کردہ رخصتوں کو ضرورت شدیدہ میں ذکر کرنا

بغیر مضبوط دلیل اور اصول و ضوابط کے علماء کرام کی بیان کردہ رخصتوں کو اختیار کرنا اور ان کے اقوال میں سے آسان قول سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ ابن عبد البر[13] نے اس کے بالا جماع حرام ہونے کی تصریح کی ہے[14]۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: اگر تم نے ہر عالم کی صرف رخصتوں پر عمل کرنا شروع کیا تو تم میں سے ہر قسم کی برائی جمع ہو جائے گی،[15] امام نووی فرماتے ہیں: اگر اپنی مرضی سے کسی بھی فقہی مذہب کی پیروی کی اجازت دے دی جاتی تو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں مختلف فقہی مذاہب میں سے صرف رخصتوں کو منتخب کر لیتے اور حلال و حرام اور جواز و عدم جواز کے بارے میں بھی اپنی من مانی کرنے لگتے جس کے نتیجے میں احکام کے مکلف بنائے جانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔[16] یہی وجہ ہے کہ ابن النجار نے تحریر کیا ہے کہ: عام آدمی کے لئے رخصتوں کی تلاش حرام ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا فاسق کہلائے گا۔[17]

ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

مفتی کے لئے حرام حیلوں کو اختیار کرنا اور رخصتوں سے فائدہ اٹھانے والے شخص کے لئے رخصتیں تلاش کرنا حرام نہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو فاسق کہلائے گا۔ ایسے شخص سے مسئلہ پوچھنا قطعی طور پر حرام ہے۔[18]

افتاء میں بے اعتنائی اور غفلت سے کام نہ لینا

اسلام آج جس کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ اس کی ایک وجہ واعظ مدرس، قاضی اور مفتی جیسے مناصب پر قانونا کوئی پابندی نہیں۔ اور اس دور میں ہر کھوٹیو کھری چیز میں آمیزش ہو گئی ہے۔ اس طرح دنیا میں حاکم، امام اور امیر جیسے عہدہ پر بھی نا اہل لوگ مسلط ہوئے ہیں۔ راہنمائی اور لیڈر شف کے طالب سرکاری ڈگری حاصل کر کے مفسر، فقیہ اور مفتی بن جاتے ہیں۔ ان کے ہاں صنعت و حرفت کے لئے اسناد تو چاہیے۔ لیکن اسلامی منصب کے ادائیگی کے لئے کوئی شرط نہیں۔ یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ ایک شخص فتوی جیسے اہم شعبہ پر اپنے طور پر اقدام کرتا ہے اور اس کا اہل بھی نہیں ہوتا اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اسلاف افتاء میں تدافع سے کام لیتے تھے، یعنی اپنے بجائے دوسرے عالم کی طرف متوجہ کرتے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے ابن حجر عسقلانی کے فتاوی کے حوالہ سے لکھا ہے ان سے ایک شخص کے بارے یوچھا گیا کہ وہ فقہی کتب پڑھتا ہے خود بخود مطالعہ کرتا ہے۔ کوئی اس کا استاد نہیں، وہ فتوی دیتا ہے اسے اپنے مطالعہ پر اعتماد ہے کیا اس کے لئے اس بات کا جواز ہے یا نہیں؟

فاجاب بقوله لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه لأنه عامی جاهل لایدری ما یقول [19]

ترجمہ: آپ نے جواب دیا کہ اس کے لئے کسی صورت میں فتوی دینا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک اندھا اور جاہل شخص ہے جو وہ کہتا ہے خود بھی نہیں جانتا۔

وہ شخص جس نے معتبر مشائخ سے علم حاصل کیا ہو اس کے لئے بھی ایک کتابوں سے فتوی دینا جائز نہیں، امام نووی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے کہ دس کتابوں سے بھی جائز نہیں کیونکہ دس کتابیں بھی کبھی ایک ضعیف سند پر مبنی ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے لہذا اس کتاب کی نقل میں ان کی تقلید جائز نہیں۔

مفتی کا معاشرہ سے واقفیت ہو

کوئی شخص اگر کسی ایسے مسئلہ کی تلاش کے لئے آجائے جس سے کوئی فریضہ ٹل جاتی ہو یا کوئی حرام حلال ہو جاتا ہو یا کسی مکر و فریب کا موقع ملتا ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ایسی صورت میں اس کی مدد کرے، اس کے سوال میں

ایسے مسائل پیدا کریں یا اسے اس کی خواہش تک پہنچنے کا ذریعہ بتادیں یا کچھ ایسے مشکوک الفاظ سے فتوی دے کہ وہ اس سے اپنا مطلب نکال لے بلکہ اسکو چاہیے کہ لوگوں کی چال بازیوں سے خبر دار رہے، ان کے احوال سے باخبر رہے، ہر ایک کے ساتھ نیک ظنی بلاوجہ نہ کریں بلکہ ہوشیاری اور دانشمندی سے کام لے۔ لوگوں کے احوال وامور سے برابر مطلع رہے، اور اپنی سمجھ شریعت سے تولتا رہے اگر ایسا نہ کرے گا تو خود بھی بہکے گا اور دوسروں کو بھی برباد کرے گا۔ بہت سے سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر میں بڑے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور باطن میں بالکل دھوکا، سراسر ظلم وجور اور مکر وفریب ہوتا ہے۔ بھولا آدمی تو ظاہر کو دیکھ کر فوراجواز کا فتوی دیتا ہے۔ لیکن ہوشیار آدمی علل باطنہ تک پہنچ کر درست بات کہتا ہے۔ پہلی قسم کے آدمی کو ہر شخص دھوکا دے سکتا ہے۔

فتوی حکمت بھرا اسلوب پر ہو

معاشرہ کو فتوی کے برے اثرات سے بچانے کے لئے کبھی سائل کو اصل جواب دینے کے بجائے جواب علی اسلوب الحکیم دیاجاتا ہے۔ مفتی کو اس کی بھی مشق ہونی چاہیے۔ شاہ عبدالعزیز کے پاس ایک شخص مع اپنے خاندان کے لایا گیا وہ خان ساماں تھا اس نے انگریز کیباقی ماندہ چائے پی لی تھی۔ اس کے تمام متعلقین نے اس سے نفرت ظاہر کی کہ تو وہ ضد کی وجہ سے کرسچین ہو گیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے پاس جب مسئلہ پوچھنے آئے۔ اس وقت شاہ عبدالعزیز کے پاس اہل علم کا مجمع تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اتنی بڑی بات اتنی جلدیحل نہیں ہو سکتی کل آنا کسی بڑی کتاب میں مسئلہ کو دیکھیں گے، اور بیوی بچوں سے کہا، اس سے الگ رہنا، کچھ دن گزرنے کے بعد فرمایا: آج ایک مسئلہ نکلا ہے، بہت بڑی غلطی ہوئی ہے تم سے، اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤ اتنی نفلیں پڑھو، اور مزید مشقت میں ڈالا، اہل مجلس نے پوچھا حضرت یہ مسئلہ کس کتاب سے فرمایا، شاہ صاحب نے جواب دیا کہ تمہیں کیا خبر یہ انتظامی بات ہے، ایسا نہ کرتا تو لوگ دلیرانہ کرسچین بننا شروع ہو جاتے۔ اگر سوال کسی عالم دینیا کسی دینی ادارے کے بارے میں ہو یا اس میں کسی فرد و متعین کر دیا گیا ہو تو واقعے کی تحقیق کر کے مکمل اطمینان کر لیں، یکطرفہ بیان پر جواب نہ دیں۔ نیز جواب دیتے وقت ایسا طرز عمل اپنائیں کہ کتمان علم کا جرم بھی سرزد نہ ہو اور کسی کو شریعت کی آڑ میں اپنے جذبہ انتقام کی تسکین یا غرض فاسد کو مکمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے۔ مناسب یہی ہو گا کہ اس موقع پر ایسے تحفظات اختیار کر لئے جائیں کہ فتوی غلط استعمال نہ ہو۔

نوعیت سوال اور مفتی کا فرض

مفتی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ سوال کا جواب یں اور ہر مسئلے میں کتاب وسنت کے مطابق احکامات کو واضح کریں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ غیر واقعی سوالات کے جوابات سے اپنے آپ کو بچائیں رکھیں اور مسائل کی نفسیاتی

سطح کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ چنانچہ اگر یہ محسوس کرے کہ جواب سائل کی ذہنی سطح سے اونچا ہے یا اس سے بجائے ہدایت کے شکوک و شبہات کی جڑیں گہری ہوں گی تو اس صورت میں بھی جواب میں خاموشی اختیار کر لینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ایک شاگرد کے سامنے ایک آیت کی وضاحت بیان کرنے سے گریز کیا، جس کے بارے میں انہیں شبہ ہوا کہ یہ جواب کو غلط کرلے گا۔ اسی طرح اگر سائل کے عقل کی کمی کی وجہ سے جواب سمجھنے سے قاصر نظر آئے اور جواب اس کے فتنے میں واقع ہونے کا سبب ہو تو بھی جواب سے رک جانا چاہیے۔

متشدد اور سخت فتوی سے اجتناب

فتوی میں تشدد بھی ایسے ہی مضر ہے جیسا کہ تکاسل، تساہل اور رواداری۔ تشدد کی وجہ سے دین سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ نفرت بغاوت تک پہنچا دیتی ہے۔ دین سے قریبکرنے کی بجائے تشدد کفر کی سرحد تک پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[20]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے نہ کہ تنگی کا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَسِّرُ وا وَلَا تُعَسِّرُوا وَ بَشِّرُ وا وَلَا تُنفِرُوا[21]

ترجمہ: لوگوں ساتھ آسانی کرو تنگی نہ کرو خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاو۔

یعنی اسلام فطری دین ہے اس میں ہر طرح کی سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ جس نے ننانوے قتل کئے تھے وہ ایک راہب کے پاس آیا اور اپنی توبہ کے بارے دریافت کیا۔ اس نے نفی میں جواب دیا تو قاتل نے اسے قتل کر کے سو کا عدد پورا کر لیا، قتل کا المیہ راہب کے تشدد پر مبنی فتوی کی وجہ سے پیش آیا۔ یہ اس راہب کی لاعلمی اور جہالت کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ امر واقعی میں یہ تشدد خدا تعالیٰ کو پسند نہیں تھا۔ لہذا مفتی کو چاہیے کہ شرعی اصول کے دائرہ میں رہ کر جتنا ممکن ہو مستفتی کے لیے آسانیاں پیدا کیا جائے۔

افتاء میں اعتدال کی روح کو اجاگر کرنا

جدید مسائل میں غور کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ راہ اعتدال ہی اپنائی جائے، نہ ایسا جمود ہو کہ کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء و مجتہدین کی تحقیقات کو ایک ہی درجہ دیا جائے، نہ ایسا تجدد ہو کہ ہر نئی بات کو قبول کر لیا جائے اس بارے میں افراط و تفریط سے بچنا بہت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ قرآن وسنت کی قائم کی ہوئی حدوں سے آگے

بڑھ جائیں یا شریعت کی حدود سے تجاوز کر کے حرمت میں اباحیت کے راستے کھول دیں۔ کیونکہ دین میں ایسا کرنا جرم تصور کیا جائیگا اور ایسا بھی نہ ہو کہ بدلے ہوئے حالات واقدار، بغیر عرف وعادات اور تبدیل شدہ نظام واطوار کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر جزئیہ میں متقدمین کے اجتہادات واستنباطات اور ان کے عہد کے حالات پر مبنی احکام ومسائل اور فتاوی میں بلاضرورت جمود ہو۔ اس جمود کی کئی وجوہ ہوتی ہیں مثلاً:

- عبارات فقہاء کے ظاہر کو دیکھنا اور اس کی روح سے قطع نظر کرنا۔
- علت وحکمت کا فرق نہ سمجھنا۔
- شرح منزل اور شرح مؤوّل میں فرق نہ کرنا یعنی اس بات کا بالکل لحاظ نہ کرنا کہ حکم منصوص علیہ ہے یا مستنبط؟ قطعی علیہ ہے یا مجتہد فیہ۔ کیونکہ اس طرز عمل سے لوگوں میں دین سے بد دلی اور بے دینی کی طرف میلان پیدا ہو گا۔

مفتی کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جہاں دین کے مسلمات کے دائرے سے نکلنا اور سلف صالحین کے اجتہادات کو نظر انداز کرنا ناقابل معافی ہے، وہیں فقہی جزئیات پر جمود واصرار، شریعت کے مصالح ومقاصد سے بے خبری اور اس کی روح سے بے اعتنائی ہے جو پہلے امر سے قباحت میں زیادہ ہے۔

لا ادری سے مانوسیت

جو مسئلہ مشکل وناقابل فہم ہو یا اس میں معاشرہ کو سخت نقصان کا خطرہ ہو جس میں فتوی دینا مفتی کے بس سے بلند ہو اور مشورے کے باوجود حل ہونے والا نہ ہو اس کے جواب میں "لا ادری یعنی میں نہیں جانتا" کو اختیار کرے اور یہ لا ادری بھی علم ہے۔ ابن وہب فرماتے ہیں کہ اگر میں امام مالک کی لا ادری لکھا کرتا تو کتنے رجسٹرڈ بھر جاتے، ایسی صورت میں دوسرے اہل علم کی طرف مراجعت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسۡئَلُوٓا۟ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ[22]

ترجمہ: اہل علم سے دریافت کرو اگر تم نہیں جانتے۔

جب کوئی سوال مشکل ہو تو مفتی کو اس میں جلدی بازیسے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ دیگر علماء پر اس مسئلہ کو پیش کر دے تاکہ درست طریقے سے اس کا حل نکال سکے۔ اور افتاء کے اصلاح کے لئے یہ ایک بہتر کوشش ہے تاکہ مفتیانعظام اپنے طرف سے کوئی ایسا جواب نہ دے جس میں معاشرہ کو نقصان ہو جائے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی اصل صورت حال سے واقف نہیں ہوتے اور اس کے باوجود بھی کوئی نہ کوئی رائے قائم کر دیتے ہیں جو کہ اصول افتاء کے خلاف ہے۔

نصوص ظاہر پر اکتفاء نہ کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ نصوص شرعیہ کی تعظیم اور ان سے استدلال کرنا دینی بنیاد اور مطلوب شریعت ہے۔ کسی مجتہد کے لئے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ وہ مسائل میں غور و حوض کرتے وقت نصوص شرعیہ کا اہتمام نہ کرے، مگر اصل مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب نصوص کی گہرائی تک پہنچے بغیر اور مقاصد شریعت کو نظر انداز کر کے صرف ظاہری نصوص کو اختیار کیا جائے۔ یہ رجحان آج کل بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ شیخ صالح الزید نے تحریر کرتے ہیں کہ: ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اجتہاد کے لئے صرف قرآن مجید، سنن ابو داؤد اور ایک ڈکشنری کافی ہے[23]۔

حالانکہ فقہ و افتاء کے باب میں اس طرح کی سوچ ایکجاہلانہ سوچ ہے اور بغیر کسی خوف کے کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کا نظریہ رکھنے والوں کو فقہ کی ہوا تک بھی نہیں لگی ہے، چہ جائیکہ کہ وہ فتویٰ کا کام کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں کو شیخ یوسف قرضاوی نے نئے ظاہریہ کا نام دے دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> یہ وہ لوگ ہیں جو صرف نصوص کے ظاہری الفاظ پر کو دیکھتے ہیں۔ انہیں میں نئے ظاہریہ کہتا ہوں۔ ان میں اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی ہے جو حدیث میں تو مہارت رکھتے ہیں لیکن انہیں فقہ واصول فقہ میں کوئی مہارت نہیں۔ اسی طرح نہ تو فقہاء کے اصول اختلاف اور استنباط مسائل کے مدارج و مناہج کا انہیں علم ہے اور نہ مقاصد شریعت کے حالات و زمانہ اور احوال کی تبدیلیوں پر احکام کی علتوں کو وہ پیش نظر رکھتے ہیں۔[24]

در حقیقت یہ لوگ قرآن و سنت کے تشفی بخش دلائل کو پیش کیے بغیر کسی بھی چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں اور عوام کی زندگی میں مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔

عرف وعادت سے فتوی میں تبدیل کا قانون

فتوے کو بدلنے والی چیز میں عرف و عادت کے بدلنے کو بھی بڑا دخل ہے۔ خصوصاً قسمیں، نذریں اور اقرار وغیرہ میں مثلاً ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ میں جانور پر نہیں بیٹھوں گا، ان کے ہاں ایسے وقت جانور سے مراد صرف گھوڑا تھا تو اس کی قسم اس وقت ٹوٹے گی جب یہ گھوڑے پر سوار ہو لیکن گدھے اونٹ وغیرہ پر سواری کرنے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ ان کے ہاں عرف و عادت یہی ہے۔ اگر ان کے عرف میں دابہ اور جانور کہ کر گدھا مراد لیا جاتا ہو تو اس کی قسم صرف گدھے پر ہی واقع ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ عرف کے بدلنے پر احکام کی تبدیلی ایک یقینی امر ہے۔ جب عرف و دستور پلٹ جائے تو فتوی بھی تبدیل ہو جاتا ہے اس لئے صرف پرانی کتابوں اور پہلے کی تقلید پر انحصار نہ

کرنا چاہیے۔ جیسا کہ کوئی بیرونی ملک کا سائل کسی مفتی کے ہاں آجائے تو وہ اپنے دستور اور رواج کے مطابق اسے فتوی نہ دے بلکہ ان کا عرف اور محاورہ کو معتبر مان کر اس سے دریافت کرلے اور اسی پر فتوی دے۔

مثلاً اگر کوئی مسلمان سائنسدان رمضان المبارک کا مہینہ خلا میں گزارتا ہے جہاں پر ایک طرف کشش ثقل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نماز کے لیے وضو کرنا ممکن نہیں جبکہ دوسری جانب پورا دن رات صرف 90 منٹ کا ہوتا ہے۔لہذا عرف وعادت سے باخبر علماء نے اس کو معذر کے احکام میں داخل کیا ہے۔اس کا مقصد یہ ہوا کہ جدید مسائل سے ہمارے مفتیان حضرات کو باخبر ہونا چاہیے۔لہذا ہمارے مفتی حضرات کو عرف کے مطابق حکم دینا چاہیے۔[25]

مفتی کا غیر جانبدار رہنا

عصر حاضر میں بہترین افتاء کی کے لئے ضروری ہے کہ جب مفتی سوال کا جواب دیتا ہو تو اس کا میلان مستفتی یا فریق آخر کی جانب نہ رہے بقول ابن صلاح: مفتی کو چاہیے کہ اس بات سے بچے کہ وہ اپنے فتوی میں مستفتی یا اس کے مد مقابل کی طرف ناحق مائل ہوجائے اس ناحق میلان کے طریقے کئی ہوسکتے ہیں جیسا کہ: ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو بات اس کے حق میں ہو وہ تو لکھ دے مگر جو اس کے خلاف ہو اسے نہ لکھے ،الغرض مفتی پابند رہے گا کہ وہ سائلین کے مابین عدل وانصاف اور مساوات کو قائم رکھے۔ اور اپنے فتاوی میں غیر جانبدار رہے تاکہ افتاء کا اصل مقصد پورا ہوجائے۔

3۔ بہترین افتاء کے لئے ریاستی ذمہ داری

اسلامی ریاست میں دارالافتاء کا قیام

افتاء کے میدان میں خطرات کے پیش نظر دارالافتاء کا قیام اور اس میں کہنہ مشق اور ماہرین مفتیان کی تقرری حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے اور اس حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ان دارالافتاء کی پوری نگرانی کرے، اہل علم حضرات کو مقرر کرے اور کم علم، عدم صلاحیت رکھنے والے، غیر عادل اور حیلہ باز مفتیان پر پابندی لگاکر ان کو فتوی دینے سے روکے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں ایسا ہوا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ: ابتداء اسلام میں اس کا ایک محکمہ تھا جس کا نام افتاء تھا اس کا یہ طریقہ یہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان اور فقہاء ہر جگہ موجود تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے پوچھتا تھا، اس لئے کوئی بھی بندہ عذر نہیں کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا۔[26] افتاء کی اس اہمیت کے پیش نظر ریاست اسلامیہ کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ وہ مفتیوں کی تیاری کے لئے تربیت گاہ ادارے قائم کریں۔ وسائل سے کام لیکر دارالافتاؤں کو تشکیل دے اور اخراجات کی کفالت کرکے افتاء کے لئے افراد کا تیار کریں یہ ذمہ داری سربراہ مملکت اور اسلامی حکومت کی ہے۔ خلیفہ وقت

کے لئے مسلمانوں کی فلاح کے خاطر افتاء کا ادارہ قائم کرنا لوازمات حکومت میں سے ہے خلافت اسلامیہ کا قیام مختلف پہلوؤں کا مرکب ہے ان میں سے ایک اہم شاخ سلسلہ افتاء ہے جس طرح انسانی بدن میں مختلف اعضاء اپنے اپنے اعمال میں مصروف عمل ہیں کسی عضو کا نہ ہونا جسمانی نظام کو منہدم کرنے کا باعث بنتا ہے اس طرح افتاء کا ادارہ قائم نہ کرنا خلافت اسلامیہ میں ایک عظیم خلل و نقصان کا باعث ہے جس کی تلافی متبادل پہلو سے نہیں ہو سکتی۔

وعظ و افتاء کا خلیفہ کے حکم کے تابع کرنا

اسلام کے ابتدائی دور میں وعظ کہنے اور فتوی دینے کے لئے خلفاء اور ان کے نائبین کی اجازت ضروری تھی۔ اسی سلسلے کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے: عہد سابق میں وعظ اور فتوی خلیفہ کی رائے پر موقوف تھا اور خلیفہ کے حکم کے بغیر لوگ نہ وعظ کہتے اور نہ فتوی دیتے۔ بعد میں خلیفہ کی رائے کے بغیر وہ وعظ کہنے لگے اور فتوی بھی دینے لگے لیکن اس وقت فتوی دیتے وقت جماعت صالحین سے ضرور مشورہ ہوتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وعظ یا تو امیر کہتا ہے یا اس کا مقرر کیا بندہ، یا وہ جو متکبر اور ریاکار ہے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے زمانے تک مسائل فقہ میں اختلاف واقع نہیں ہوا، جب کبھی اختلاف ہوتا تو لوگ خلیفہ کی طرف رجوع کرتے پھر خلیفہ کے مشورے کے بعد ایک بات اختیار کر لیتا اور اس بات پر اجماع ہو جاتا تھا۔ لیکن جب حضرت عثمان کی شہادت ہوئی اور خلافت راشدہ کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ تو ہر عالم و فقیہ بذات خود فتوی دینے لگا اور اسی زمانے سے اختلاف واقع ہوا۔ پس افتاء میں اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ایک رائے یہ بھی ہے کہ وعظ و افتاء کو خلیفہ کے حکم کے تابع جائے، جیسا کہ آج کے دور میں یہ طریقہ سعودی عرب اور دوسرے خلیجی ممالک رائج ہے۔

فقہ و افتاء کے بہتری کے لئے خاتون مفتیوں کے پینل کا قیام

اسلام نے علم حاصل کرنے کی صورت میں عورت اور مرد کو برابری کا حق دیا ہے۔ اور علم کے حصول میں دونوں برابر ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: علم حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے۔ ابتدائے اسلام میں خلفاء راشدین کے دور میں جناب بنی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روایت کے حوالے سے سات صحابہ کرام کو حدیث نبوی کے سب سے بڑے راوی شمار کیا جاتا تھا، ان میں سے ایک راویہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں جن سے کئی ہزار احادیث نقل ہیں۔ وہ صرف روایت نہیں کرتی تھیں بلکہ قرآن و سنت سے مسائل کا استنباط و استخراج بھی کرتی تھیں، فتوی جاری کرتی تھیں، اپنے معاصر مفتیوں سے اختلاف بھی رکھتی تھی۔ اور ان کے فتوؤں کا تعلق صرف عورتوں کے مسائل سے نہیں ہوتا تھا بلکہ عقائد عبادات، امت کے اجتماعی معاملات اور دیگر امور بھی ان کے فتاوی کا حصہ ہے۔ ان سے خلفاء راشدین خود بھی راہنمائی حاصل کرتے تھے اور ان کے فتاوی عملاً نافذ ہوا کیا جاتا تھا۔

ان کے بارے میں ابو موسیٰ اشعریؓ کا قول ہے کہ: ہم صحابہ کرامؓ کبھی کسی ایسی مشکل میں نہیں پھنسے جس کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ہم نے علم اور راہنمائی نہ پائی ہو[27] حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ: میں نے اپنے دور میں قرآن وسنت کی تشریح، فرائض و میراث شعر و ادب تاریخ قبائل عرب اور طب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بڑھ کر کوئی عالمہ نہیں دیکھا۔[28]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علوم اور فتوؤں کا سب سے بڑی وارث بھی ایک خاتون تھیں جن کا نام عروہ بنت عبدالرحمانؒ تھا بہت ذہین وفطین خاتون تھیں، حضرت عائشہ کے ہاں رہتی تھیں۔ ایک مایہ ناز شاگرد ہونے کے علاوہ ان کے بیشتر معاملات و امور کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے کہ: عرہ بنت عبدالرحمانؒ صرف احادیث روایت نہیں کرتی تھیں بلکہ لوگ ان سے مسائل بھی دریافت کرتے تھے وہ اپنے قاضی بھتیجے کے عدالتی فیصلوں کی نگرانی بھی کیا کرتی تھیں۔ فقہ اور افتاء کے شعبہ جاتیہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ متعدد خواتین بلند ترین مقام تک پہنچ گئی۔ چھٹی صدی میں ایک خاتون فقیہ اور مفتیہ فاطمہ[29] کے نام سے معروف ہوئی تھیں۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب "بدائع الصنائع" کے مصنف امام ابو بکر الکاسانی کی اہلیہ ہیں یہ اپنے والد اور خاوند کے ساتھ افتاء کا کام کرتی تھیں۔ حتی کہ اس دور کے اہم مسائل میں جو فتاوی جاری ہوئے تھے، ان پر ان تینوں کے دستخط ہوا کرتے تھے، عصر حاضر میں خاتون مفتیہ کے ضرورت واہمیت اتنی ہے جتنا ایک خاتون ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔

فقہی مجالس کا قیام

فقہ اسلامی کو پائیداری بنانے اور حالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود انسانی زندگی میں منضبط کرنے اور صحیح رہنمائی دینے کی بھرپور صلاحیت در اصل ان اصولی احکام کی مرہون منت ہے جنہیں فقہاء نے کتاب وسنت سے مستنبط کیا ہے اور ہر عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر احکام فقہ کی تعلیق کا نازک فریضہ انجام دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ایسی جامع شخصیات موجود تھیں جو کتاب وسنت فقہاء کے اجتماعی اقوال، قیاس کے اصولوں اور استنباط کے طریقوں پر غالب تھے۔ شرع کے عمومی وخصوصی مصالح اور تشریح کے اغراض و مقاصد پر ان کی نگاہیں تھی اور وہ زمانہ شناس بھی تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے عہد میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال اور ورع و تقویٰ کے ساتھ مقاصد شرع اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے اپنے وقت کی مشکلات کا حل نکالا، ان اصحاب افتاء بزرگوں کا فتوی رائج سکے کی طرح معاشرے میں قبولیت عامہ کی وجہ سے اختیار کرتا رہا موجودہ حالات یہ ہیں کہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی نے نئے نئے افق پیدا کئے دنیا ایک چھوٹی سے بستی بن گئی معاشی اور اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نئے مسائل کھڑے کیے جو لوگ اسلام پر چلنا چاہتے ہیں اور شریعت کو اپنی معاشرت و

تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں معیار ہدایت قرار دے کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے سامنے ایسے سینکڑوں سوالات پیدا ہو رہے ہیں جن کے بارے میں وہ علماء کرام و مفتیان عظام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رہنمائی کے طلبگار ہیں دوسری طرف ایسی جامع شخصیات کا فقدان بھی ہو گیا ہے جو علم و تحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں اور جن کا تنہا فتوی بھی مسلم معاشرے میں قبول ہو اس کے لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور علماء واصحاب حل وعقد باہمی تبادلہ خیال کے ذریعے ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ ہو ااور فکری شذوذات سے پاک ہو۔

ریاستی طور پر غلط فتوی کے نقصانات کا محاسبہ

کسی مسلمان نے مفتی سے کوئی مسئلہ پوچھا اور اس کے جواب کے مطابق اس شخص نے عمل کیا، اور اس سے کسی کا جان یا مال تلف ہوا وہ کسی جان یا مال کے تلف ہونے سے متعلق تھا تو ابو اسحق فرماتے ہیں کہ: یہ مفتی اگر فتوی کی اہلیت رکھتا ہے اور قاطع دلیل کے خلاف اس نے فتویٰ دیا ہے تو اس سے بدلہ لیا جائے گا اور وہ مفتی اس جانی مالی نقصان کا ضامن ہے۔ اگر وہ مفتی ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس پر ضمانت نہیں کیوں کہ فتوی طلب کرنے والے نے کوتاہی کی۔ اس نے ٹھیک اپنا مقصد نہیں پہچانا اور تقلید کے گڑھے میں گر گیا۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ یہ نا اہل مفتی بھی ضامن ہے، کیونکہ باوجود نا قابلیت کے اس نے مستفتی کو دھوکے میں رکھا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص طبیب نہ ہو پھر طبیب بن کر بیٹھ جائے تو وہ ضامن ہو گا۔[30]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فی الواقع وہ طبیب ہے اور پھر اس سے خطا ہو گئی ہے تو پھر اس پر ذمہ داری نہیں۔ لیکن اگر ایک شخص طبیب نہیں بلکہ دوکان کھول کر اس پر بورڈ لگا کر لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے۔ کسی کو نقصان پہنچائے تو وہ قانونی مجرم ہو گا اس پر تاوان ہو گی۔ اسی طرح نااہل مفتی بھی اگر فتوی دے جس سے کسی کو نقصان پہنچے تو وہ ذمہ دار ہو گا۔

فتوی کے لئے مخصوص جماعت کا ہونا

مسائل اور احکام کا سارا ذخیرہ دراصل کتاب وسنت میں ہے اور قرآن وحدیث کے اندر ایک خاص انداز میں حقائق واحکام پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عموماً ہر شخص کو ہر زمانہ میں حالات یکساں پیش نہیں آتے بلکہ مختلف صورت حال سامنے آتی ہے، ہر ایک میں یہ بصیرت کہاں ہے جو کلام اللہ اور سنت رسول سے اپنے حالا جزئیہ کا حلنکال سکے، اور وہ جواب بالکل درست بھی ہو، اگر گنے چنے کچھ افراد اس طرح کے نکلیں بھی، تو کوئی ضروری نہیں کہ انہیں قرآن وسنت میں مہارت بھی ہو اور وہ اسے اپنے اندر تمام شرائط کو پائے جو ایک صاحب بصیرت مفتی کے

لئے ضروری ہے۔ اور اگر ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں، تو ان کو اتنی فرصت کہاں، کہ اس عظیم الشان ذخیرہ سے مطلوبہ آیت و حدیث فوراً تلاش کر سکیں، اور اس طرح کہ وہ آیت و حدیث دوسری آیتوں اور احادیث سے متعارض بھی نہ ہو، اس لیے عقل کا بھی یہ تقاضا ہے کہ قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھنے والی ایک معتمد جماعت مسائل ضروریہ مستنبط کر کے یک جا کرتی رہے، تاکہ امت کے عام افراد کے پیش آمدہ مسائل کے اندر کہیں الجھاؤ میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور بلاشبہ انہی مستنبط احکام و مسائل کا نام فتوی ہے۔ مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے تو ایسی جماعت ہر زمانہ میں پائی گئی۔ لہذا اس اہم اور عظیم المرتبت کام کے لیے ایک خاص جماعت کو مقرر کیا جائے، تاکہ پورے یکسوئی کے ساتھ اس کام کو سرانجام دے سکیں۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ یہ مطالعہ اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو درپیش جدید اور پیچیدہ مسائل کا حل انفرادی فتووں کے بجائے اجتماعی اجتہاد اور منظم افتاء کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ مضمون کے مطابق فقہی جمود کی ایک بڑی وجہ غیر منظم افتاء، نااہل مفتیوں سے رجوع، اور حالات و تقاضوں سے کٹ کر دیے گئے فتوے ہیں۔ اس لیے افتاء کے عمل کو ایک منظم ادارہ جاتی ڈھانچے میں لانا ناگزیر ہے۔ مطالعہ میں واضح کیا گیا ہے کہ افتاء تین بنیادی عناصر—مستفتی، مفتی اور فتویٰ—پر مشتمل ہے۔ مستفتی کی ذمہ داری ہے کہ وہ سوال میں صداقت اختیار کرے، غیر ضروری اور فرضی مسائل سے اجتناب کرے اور مستند اہلِ علم ہی سے رجوع کرے۔ اسی طرح مفتی پر لازم ہے کہ وہ گہری علمی بصیرت، تقویٰ، تحقیق، اعتدال، حالاتِ زمانہ، عرف اور مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھ کر فتویٰ صادر کرے، نیز جہاں علم نہ ہو وہاں "لا ادری" کہنے میں تردد نہ کرے۔ مضمون میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ انفرادی رائے پر اصرار کے بجائے فقہی مجالس، دارالافتاء، اور اجتماعی علمی اداروں کے ذریعے اجتہاد کیا جائے، تاکہ مختلف علوم کے ماہرین کی آراء سے متوازن اور قابلِ عمل فتوے سامنے آ سکیں۔ مزید یہ کہ ریاستی سطح پر افتاء کے نظام کی نگرانی، فتووں میں اعتدال، اور خواتین مفتیوں کی علمی خدمات کو بھی اہم قرار دیا گیا ہے۔ نتیجتاً یہ مطالعہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مقاصدِ شریعت اور عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ منظم اور اجتماعی افتاء ہی فقہی جمود کے خاتمے اور معاشرتی استحکام کا مؤثر ذریعہ ہے۔

مصادر و مراجع

1 ابن حجر عسقلانی، التھذیب، ج9، ص450)

2 محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ج1، ص382

3 محمد بن سلیمان بن اشعث اَبو داوٗد، کتاب العلم، باب التوقی فی القتیا، ج2، ص414

4 سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج2، ص94

5 ابن عابدین شامی، رد المختار مع الدر المختار، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ج3، ص398-393

6 آل عمران187:3

7 اَبو داود سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داوٗد، سنن اَبو داوٗد، ج1، ص404

8 ابن عابدین شامی، رسائل ابن عابدین، ج1، ص326

9 خلاصۃ الفتاوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ص557

10 مسلم بن حجاج (النیسابوری) صحیح مسلم، ج1، ص753

11 ڈاکٹر یوسف گواریہ، اجتہاد، جمہوری پبلیکیشنز، لاہور، 2004ء، ص10

12 ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، جلد ۲، شمارہ نمبر ۶، جون ۲۰۰۹ فتوئی کا عالمی منشور، مولانا عبد الجبار طاہر

13 ابو یوسف بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر اندلس کے نامور فقیہ، محدث اور مؤرخ ہیں۔ مغرب میں ان سے بڑھ کر کوئی حافظ الحدیث نہیں تھا۔ الاستعاب فی معرفۃ الاصحاب، جامع بیان العلم وفضلہ، وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ 463ھ میں فوت ہوئے بحوالہ ابن عماد، شذرات، ج3، ص314

14 ابن عبد البر اَبو یوسف بن عبد اللہ، جامع بیان العلم، ج2، ص91

15 ایضا

16 امام النووی، المجموع شرح المھذب، ج1، ص55

17 امام شمس الدین الذہبی، سیر اَعلام النبلاء، مکتبہ صلاح الدین، النجد قاہرہ، ج13، ص465

18 ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین عن رب العلمین، ج4، ص222

19 ابن عابدین شامی، عقود رسم المفتی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص16

20 البقرۃ175:2

21 اَبو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، صحیح البخاری، ج1، ص735

22 النحل43:16

23 فقہ الائمۃ الاربعۃ بین الزاھدین فیہ والمتعصبین لہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ص66

24 یوسف القرضاوی، الاجتہاد والمعاصر، دار الفکر، المعاصر، بیروت، ص88

25 علی بن خلیل الطرابلسی، معین الحکام فی ما یتردد بین الخصمین من الاحکام، الحلبی، قاہرہ، مصر، ص32

26 علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، ط2، کتب خانہ صدیقیہ، ملتان، ص221

27 ماہنامہ الشریعہ، نومبر2003ء

28 ایضا

29 فاطمہ فقیہ ایک خوبصورت خاتون تھیں اس لئے ان کے لئے بڑے خاندانوں سے رشتے آتے تھے لیکن کسی رشتے پر باپ بیٹی کا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ بالآخر فاطمہ نے خود ہی ایک تجویز پیش کی کہ ان سے شادی کے خواہشمند حضرات موجودہ حالات کی روشنی میں فقہ حنفی پر کتاب لکھیں، وہ سب کتابوں کا مطالعہ کریں گے، جس کی کتاب انہیں پسند آئے گی، اس سے شادی کرلیں گی۔ مقابلہ میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے بدائع الصنائع" کو فاطمہ نے پسند کیا اور علامہ کاسانی سے شادی کرلی۔

30 ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ج4، ص103